مباحثہ ومکالمہ

ابوعمار زاہد الراشدی

سنت کے حوالے سے غامدی صاحب کا موقف

محترم جاوید احمد غامدی کے تصور سنت کے بارے میں ''الشریعۃ'' کے صفحات میں ایک عرصہ سے بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے ہمارے فاضل دوست اس میں سنجیدگی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔ راقم الحروف نے بھی ''غامدی صاحب کا تصور سنت'' کے عنوان سے ''الشریعۃ'' کے جون ۲۰۰۸ء کے شمارے میں کچھ معروضات پیش کی تھیں اور چند اہم نکات کی نشاندہی کرتے ہوئے ان الفاظ میں غامدی صاحب سے اس بحث میں خود شریک ہونے کی درخواست کی تھی کہ: ''امید رکھتا ہوں کہ محترم غامدی صاحب بھی اپنے موقف کی وضاحت کے لیے اس مکالمہ میں خود شریک ہوں گے اور اپنے قارئین، سامعین اور مخاطبین کی راہنمائی کے لیے اپنا کردار کریں گے۔''

مگر غامدی صاحب کے ایک شاگرد سید منظور الحسن نے ''الشریعۃ'' جنوری ۲۰۰۹ء میں حافظ محمد زبیر کے ایک تفصیلی مضمون کا جواب دیتے ہوئے میری اس درخواست کو یوں نمٹا دیا ہے کہ: ''اس تحریر میں ہم حافظ زبیر کے جملہ اعتراضات کے حوالے سے بحث کریں گے۔ ان کا مضمون تفصیلی بھی ہے اور کم وبیش ان تمام اعتراضات کا احاطہ کرتا ہے جو مولانا زاہد الراشدی نے اٹھائے ہیں'' لیکن محترم سید منظور الحسن کی یہ تحریر میرے لیے قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ میں نے ان نکات واعتراضات کی وضاحت کے لیے خود محترم جاوید احمد غامدی صاحب سے گزارش کر رکھی ہے اور شرعی اور اخلاقی طور پر یہ انہی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے موقف کی وضاحت کریں۔ چنانچہ اپنے سابقہ مضمون میں اٹھائے گئے اہم نکات کا اعادہ کرتے ہوئے ایک بار پھر غامدی صاحب سے درخواست کر رہا ہوں کہ وہ خود اس بحث میں شریک ہوں اور اپنے مخاطبین کی صحیح راہنمائی کرنے کے ساتھ ملک کے جمہور اہل علم کو مطمئن کریں۔

غامدی صاحب کے متعدد مضامین اور توضیحات کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے درج ذیل نکات پیش کیے تھے:

۱۔ غامدی صاحب سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجت ہونے کے قائل ہیں اور اس بارے میں وہ جمہور امت کے ساتھ ہیں، مگر سنت کی تعریف اور تعیین میں وہ جمہور امت سے ہٹ کر ایک الگ مفہوم طے کر رہے ہیں۔

۲۔ وہ سنت کے صرف عملی پہلوؤں پر یقین رکھتے ہیں اور سنت کے ذریعے علم میں کسی نئے اضافے کے قائل نہیں ہیں۔

۳۔ سنت کے عملی پہلوؤں میں بھی وہ اسے صرف دین ابراہیمی کی سابقہ روایات کی تجدید واصلاح اور ان میں

جزوی اضافوں تک محدود رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک دین ابراہیمی کی سابقہ روایات سے ہٹ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نیا عمل یا ارشاد سنت نہیں ہے۔

۴۔ سنت کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کریم کا وظیفہ بھی صرف اس دائرے تک محدود کر رہے ہیں کہ وہ پہلے سے موجود و متعارف چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ گویا پہلے سے موجود و متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا قرآن مجید کے دائرۂ کار میں بھی شامل نہیں ہے۔

۵۔ ان کے نزدیک سنت کسی اصول وضابطہ پر مبنی نہیں ہے جس کی بنیاد پر کسی بھی کام کے سنت یا غیر سنت ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہو، بلکہ سنت صرف لگی بندھی اشیا کی ایک فہرست کا نام ہے جس میں کسی بھی حوالے سے کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ اس فہرست سے ہٹ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی ارشاد یا عمل غامدی صاحب کے نزدیک سنت کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور نہ ہی اسے حجت کا درجہ حاصل ہے۔

۷۔ سنتوں کی اس فہرست میں شامل تمام امور کا تعلق ایک مسلمان کی ذاتی زندگی اور زیادہ سے زیادہ خاندانی معاملات سے ہے جب کہ سوسائٹی کے اجتماعی معاملات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال کو سنت کا درجہ حاصل نہیں ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاکم، قاضی، کمانڈر اور ڈپلومیٹ وغیرہ کے طور پر جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے، وہ بھی سنت کے مفہوم سے خارج ہے۔

۸۔ غامدی صاحب کے نزدیک عقیدہ کے تعین وتعبیر میں سنت وحدیث کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۹۔ سنت کے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہم نے غامدی صاحب کی عبارتوں سے سمجھا ہے، یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مفہوم نہ صرف یہ کہ جمہور امت بالخصوص خیر القرون کے اجماعی تعامل کے منافی ہے بلکہ انتہائی گمراہ کن اور عملاً سنت کے حجت ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔

مجھے اس امر پر اصرار نہیں ہے کہ غامدی صاحب کی عبارات سے سنت کا جو مفہوم میں نے سمجھا ہے، وہی غامدی صاحب کی مراد بھی ہے اور اسی لیے میں نے ان سے وضاحت کی درخواست کی ہے، لیکن یہ وضاحت غامدی صاحب کو خود کرنی چاہیے۔ ان سے ہٹ کر کسی اور دوست کی وضاحت ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اگر محترم جاوید غامدی صاحب بذات خود اس بحث میں شریک ہوتے ہیں تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور ان کے پورے احترام کے ساتھ اس بحث کو آگے بڑھائیں گے، لیکن اگر وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو پھر ان کے تلامذہ کے ذریعے سالہا سال سے جاری یہ بحث بے فائدہ تکرار اور لاحاصل مشق کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے جسے ہم شاید مزید جاری نہ رکھ سکیں۔

(الشریعہ، فروری ۲۰۰۹ء)

حدیث وسنت کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف

حدیث وسنت کے بارے میں محترم جناب جاوید احمد غامدی کی مختلف تحریرات کے حوالہ سے راقم الحروف نے کچھ

اشکالات ''الشریعہ'' میں پیش کیے تھے اور غامدی صاحب سے گزارش کی تھی کہ وہ ان سوالات واشکالات کے تناظر میں حدیث وسنت کے بارے میں اپنے موقف کی خود وضاحت کریں تاکہ اہل علم کو ان کا موقف سمجھنے میں آسانی ہو۔ غامدی صاحب محترم نے اس گزارش کو قبول کرتے ہوئے ماہنامہ ''اشراق'' کے مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارے میں اپنا موقف تحریر فرمایا ہے جسے ان کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم کچھ مزید معروضات بھی پیش کر رہے ہیں۔

غامدی صاحب محترم فرماتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو قرآن دیا ہے۔ اِس کے علاوہ جو چیزیں آپ نے دین کی حیثیت سے دنیا کو دی ہیں، وہ بنیادی طور پر تین ہی ہیں:

۱۔ مستقل بالذات احکام وہدایات جن کی ابتدا قرآن سے نہیں ہوئی۔

۲۔ مستقل بالذات احکام وہدایات کی شرح ووضاحت، خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن سے باہر۔

۳۔ اِن احکام وہدایات پر عمل کا نمونہ۔

یہ تینوں چیزیں دین ہیں۔ دین کی حیثیت سے ہر مسلمان اِنھیں ماننے اور ان پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِن کی نسبت کے بارے میں مطمئن ہو جانے کے بعد کوئی صاحب ایمان اِن سے انحراف کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اُس کے لیے زیبا یہی ہے کہ وہ اگر مسلمان کی حیثیت سے جینا اور مرنا چاہتا ہے تو بغیر کسی تردد کے اِن کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

ہمارے علما اِن تینوں کے لیے ایک ہی لفظ ''سنت'' استعمال کرتے ہیں۔ میں اِسے موزوں نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک پہلی چیز کے لیے ''سنت''، دوسری کے لیے ''تفہیم وتبیین'' اور تیسری کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ اصل اور فرع کو ایک ہی عنوان کے تحت اور ایک ہی درجے میں رکھ دینے سے جو خلط مبحث پیدا ہوتا ہے، اُسے دور کر دیا جائے۔

یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمۂ سلف کے مئوقف میں سر مو کوئی فرق نہیں ہے۔ میرے ناقدین اگر میری کتاب ''میزان'' کا مطالعہ دقت نظر کے ساتھ کرتے تو اِس چیز کو سمجھ لیتے اور اُنھیں کوئی غلط فہمی نہ ہوتی۔ یہ توقع اب بھی نہیں ہے۔ دین کے سنجیدہ طالب علم، البتہ مستحق ہیں کہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے یہ چند معروضات اُن کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔

اولاً، سنت کے ذریعے سے جو دین ملا ہے، اُس کا ایک بڑا حصہ دین ابراہیمی کی تجدید واصلاح پر مشتمل ہے۔ تمام محققین یہی مانتے ہیں۔ تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں محض جزوی اضافے کیے ہیں۔ ہرگز نہیں، آپ نے اِس میں مستقل بالذات احکام کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اِس کی مثالیں کوئی شخص اگر چاہے تو ''میزان'' میں دیکھ لے سکتا ہے۔ یہی معاملہ قرآن کا ہے۔ دین کے جن احکام کی ابتدا اُس سے ہوئی ہے، اُن کی تفصیلات ''میزان'' کے کم وبیش تین سو صفحات میں بیان ہوئی ہیں۔ میں اِن میں سے ایک ایک چیز کو ماننے اور اُس پر

عمل کرنے کو ایمان کا تقاضا سمجھتا ہوں، اس لیے یہ الزام بالکل لغو ہے کہ پہلے سے موجود اور متعارف چیزوں سے ہٹ کر کوئی نیا حکم دینا یا دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کے دائرۂ کار میں شامل ہی نہیں ہے۔

ثانیاً، سنت کی تعیین کے ضوابط کیا ہیں؟ اِن کی وضاحت کے لیے میں نے ''میزان'' کے مقدمہ ''اصول ومبادی'' میں ''مبادی تدبر سنت'' کے عنوان سے ایک پورا باب لکھا ہے۔ یہ سات اصول ہیں۔ اِن کی بنیاد پر ہر صاحب علم کسی چیز کے سنت ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ سنن کی ایک فہرست اِنھی اصولوں کے مطابق میں نے مرتب کر دی ہے۔ اِس میں کمی بھی ہو سکتی ہے اور بیشی بھی۔ تحقیق کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد میں خود بھی وقتاً فوقتاً اِس میں کمی بیشی کرتا رہا ہوں۔ میں نے کبھی اِس امکان کو رد نہیں کیا ہے۔

ثالثاً، اِس فہرست سے ہٹ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات بھی دین کی حیثیت سے روایتوں میں نقل ہوئے ہیں، اُن میں سے بعض کو میں نے ''تفہیم وتبیین'' اور بعض کو ''اسوۂ حسنہ'' کے ذیل میں رکھا ہے۔ یہی معاملہ عقائد کی تعبیر کا ہے۔ اِس سلسلہ کی جو چیزیں روایتوں میں آئی ہیں، وہ سب میری کتاب ''میزان'' کے باب ایمانیات میں دیکھ لی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی ''تفہیم وتبیین'' ہے۔ علمی نوعیت کی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نقل ہوئی ہیں، اُن کے لیے صحیح لفظ میرے نزدیک یہی ہے۔ آپ سے نسبت متحقق ہو تو اِس نوعیت کے ہر حکم، ہر فیصلے اور ہر تعبیر کو میں حجت سمجھتا ہوں۔ اِس سے ادنیٰ اختلاف بھی میرے نزدیک ایمان کے منافی ہے۔''

جہاں تک غامدی صاحب کے موقف کا تعلق ہے، وہ ان کے اس مضمون کی صورت میں اہل علم کے سامنے ہے اور اگر اس کے بارے میں کسی کے ذہن میں تحفظات موجود ہیں تو اس کا علمی انداز میں اظہار ہونا چاہیے۔ البتہ راقم الحروف سرِ دست دو پہلوؤں پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ایک یہ کہ غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ ''یہ محض اصطلاحات کا اختلاف ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو میرے اور ائمہ سلف کے موقف میں سرِ مو کوئی فرق نہیں''۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ اگر صرف اتنی سی بات ہے تو اصطلاحات وتعبیرات کے اس فرق میں یہ پہلو ضرور ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ نئی اصطلاح اور جداگانہ تعبیر سے کیا نئی نسل کے ذہن میں کوئی کنفیوژن تو پیدا نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ اس وقت ہماری نئی نسل مختلف اطراف سے پھیلائے جانے والے کنفیوژنز کی زد میں ہیں، اسے اس ماحول سے نکالنا ایک مستقل دینی ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ایسے ماحول میں سنجیدہ اہل علم کو نئی نسل کی ذہنی اور فکری الجھنوں میں اضافہ کرنے کی بجائے ان میں کمی کرنے کا اسلوب اختیار کرنا چاہیے اور ہم برادرانہ جذبات کے ساتھ غامدی صاحب محترم سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس پر غور فرمائیں گے۔

دوسری گزارش ہے کہ غامدی صاحب محترم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کو (۱) مستقل بالذات احکام، (۲) مستقل بالذات احکام وہدایات کی شرح ووضاحت اور (۳) ان احکام وہدایات پر عمل کا نمونہ میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا کہ وہ پہلے حصے کو سنت، دوسرے کو تفہیم وتبیین اور تیسرے حصے کو اسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتے

ہیں جبکہ علماے کرام ان سب کو سنت قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ان امور کو سنت قرار دینے کی نسبت صرف علماے کرام کی طرف کرنا شاید واقعہ کے مطابق نہیں ہے، اس لیے کہ خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور صحابہ کرامؓ کے فرمودات میں ایسے امور پر 'سنت' کا اطلاق پایا جاتا ہے جو غامدی صاحب کی تقسیم کی رو سے سنت میں شمار نہیں ہوتیں، مثلاً:

(۱) بخاری شریف کی روایت (۸۹۸) کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن کی ترتیب میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ جس نے ہماری ترتیب پر عمل کیا، "فقد اصاب سنتنا" اس نے ہماری سنت کو پالیا۔

(۲) بخاری شریف کی روایت (۱۵۵۰) کے مطابق حج کے موقع پر حجاج بن یوسف کو ہدایات دیتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ "ان کنت ترید السنة" اگر تم سنت پر عمل کا ارادہ رکھتے ہو تو خطبہ مختصر کرو اور وقوف میں جلدی کرو۔

(۳) بخاری شریف کی روایت (۱۴۶۱) کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں کو حج اور عمرہ اکٹھا کرنے سے بعض وجوہ کی بنا پر منع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھ لیا کہ میں کسی کے قول پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتا۔

(۴) بخاری کی روایت (۳۷۶) میں بتایا گیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں رکوع وسجود مکمل نہیں کر رہا تو فرمایا کہ اگر تو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے مرگیا تو تیری موت "سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم" پر نہیں ہوگی۔

(۵) بخاری شریف کی روایت (۱۵۹۸) میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو بٹھا کر ذبح کر رہا ہے تو فرمایا کہ اس کو کھڑا کر کے ایک ٹانگ باندھ دو اور سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ذبح کرو۔

(۶) بخاری کی روایت (۲۳۸۳) میں بتایا گیا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں اپنا بچا ہوا مشروب بائیں طرف بیٹھے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق کی بجائے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک اعرابی کو دیا اور فرمایا کہ کوئی چیز دینے لگو تو دائیں طرف سے شروع کرو۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت انس نے فرمایا کہ یہی سنت ہے، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے۔

احادیث کے ذخیرے میں اس نوعیت کی بیسیوں روایات موجود ہیں جن میں سے چند کا ہم نے بطور نمونہ تذکرہ کیا ہے، اس لیے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال کے مختلف پہلوؤں پر "سنت" کے اطلاق کو صرف علما کی بات کہہ کر نظر انداز کر دینا مناسب نہیں ہے اور غامدی صاحب محترم کو اس پر بھی بہرحال نظر ثانی کرنی چاہیے۔

(الشریعہ، اپریل ۲۰۰۹ء)